حرف آخر

جون ۱۹۹۹ء مطابق ربیع الاول ۱۴۲۰ھ میں موقر جریدہ معارف کی عمر طبعی تمام و کمال ۸۳ برس ہو جاتی ہے۔ زمانہ کے نشیب و فراز، حالات کے اتار چڑھاؤ اور مسائل کی تنگی و ترشی کے باوجود اس کاروانِ علمی کے سفر کا ربط و تسلسل ٹوٹ نہیں سکا اور ایک شمارہ بھی ناغہ نہیں ہونے پایا جو اپنی جگہ پر تعجب خیز اور باعث اطمینان ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس طویل عرصہ میں تواتر اور استقلال کے ساتھ اپنے جادۂ استقامت پر کاربند رہتے اور اپنی مخصوص طرزِ ادا، سادگی و متانت اور اعلیٰ معیارِ علمی کو برقرار رکھنے کی سعادت اسے حاصل رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی اور شرقی موضوعات پر مستند اور ٹھوس علمی اور ادبی مقالات و مضامین کا اتنا وافر ذخیرہ ایسے پسندیدہ اور قابل قبول سطح پر فراہم کر دینا معارف ہی کی خصوصیت اور اولیت رہی ہے۔ بقول ڈاکٹر عابد رضا بیدار "جدید عہد میں ساری اسلامی زبانوں میں اتنے متنوع تاریخی اور تہذیبی موضوعات پر خالص علمی انداز کے ساتھ یکجا ایسا مستند مواد کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا، اردو کا تو ذکر ہی کیا!" [1]

اب مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ چونکہ اپنی جامعیت اور تنوع کے اعتبار سے معارف کو علوم اسلامیہ کی ایک ایسی INCYCLOPEDIA کی حیثیت حاصل ہے جس کے مندرجات اور مشتملات کے بارے میں جب تک خاطر خواہ علم و اطلاع اور ہدایت و رہنمائی حاصل نہ ہو اس کے مواد و مضامین سے کما حقہ مجموعی طور پر استفادہ کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے طلسم خانہ علوم کی سیر اور اس کی پیچ در پیچ وادیوں کی توضیح سے لطف اندوز ہونے کے لئے بہرحال ایک معقول اور مستحکم GUIDE LINE کی اشد ضرورت ہے جو سہولت اور سادگی کے ساتھ کم سے کم وقت کے اندر اپنے مقصد کی طرف پیش رفت کرانے میں ممد و معاون بن سکے اور ۸۳ سال کے ۹۹۶ شماروں پر مشتمل ۱۶۳ جلدوں سے متعارف و روشناس کرا سکے اور معارف کی معرفت کا ذوق بخش سکے۔ اس ضمن میں چند مقالات اور کتابیں اشاریئے (INDEX) کے طور پر لکھے جا چکے ہیں جو کسی قدر اس ضمن میں رہنمائی کر سکتے ہیں لیکن اول تو وہ مختصر اشاریہ ہیں، دوسرے ان کی ترتیب و تدوین آج کے لحاظ سے وقت طلب اور نامکمل ہیں جن کی تکمیل و تفہیم کے لئے مزید KEY کی ضرورت درپیش ہے۔ دارالمصنفین کے کتب خانہ میں معارف سے متعلق رہنمائی حاصل کرنے کے لئے لوگ عام طور پر ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے ترتیب دیئے ہوئے 'اشاریہ معارف و برہان'

---

[1] پیش گفتار اشاریہ معارف از ڈاکٹر عابد رضا بیدار سے ماخوذ

سے ہی کام چلا لیا کرتے ہیں جو معارف کے ابتدائی ۷۰ سالہ مضامین اور مضمون نگاروں کے کاموں کا احاطہ کرتا ہے اور نامکمل اور پرانے انداز کا ہے۔ ضرورت ہے کہ جدید انداز پر معارف کے اشاریہ کی بالکل علیحدہ ترتیب نو کا کام کروایا جائے جو مکمل اور مبسوط بھی ہو اور ہر طبقہ علم کے حق میں آسان، قابل قبول اور نافع ہو۔ معلوم ہوا ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں وہاں کے ایک ریسرچ اسکالر مولوی محمد جمشید ندوی نے یہ کام بڑے سلیقے سے مکمل کر لیا ہے مگر ابھی یہ طباعت کے مراحل میں داخل نہیں ہوا ہے[12]۔ اس میں بھی شک نہیں کہ پرانی چیزوں کی قدر وقیمت اور اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے اس لئے کہ قدیم مصنوعات و تخلیقات نے ہی مزید اختراعات و ایجادات کے لئے راہیں کھولیں اور ترقیات و کمالات کے ارتقائی مدارج کو طے کرنے کے لئے حوصلہ افزا ماحول بنایا لیکن چونکہ یہ حقیقت ہے کہ زمانہ انقلابات کا گہوارہ ہے اور ہر پل نیرنگیوں اور تبدیلیوں کو نہ صرف یہ کہ پسند کرتا ہے بلکہ ان کو معرض وجود میں لانے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لئے ہر دس بیس برس کے بعد ہر علم وفن سے متعلق انداز، اسلوب، طرز ادا اور مذاق وفیشن خود بخود اس طرح بدل جاتا ہے کہ زیادہ عرصہ تک ہم لکیر کے فقیر بن کر نہیں رہ سکتے۔ نئے عوامل ومحرکات کچھ اس طور پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ آدمی مجبور ہو جاتا ہے کہ مسائل حاضرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اور جدید تحقیقی ترازوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے وقت کی ضرورت کو نہ صرف پورا کر سکے بلکہ اس کی کوشش عوام وخواص میں پسندیدگی اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھی جاسکے۔ ان سطور کو لکھنے کی غرض وغایت بھی یہی ہے کہ ہم نے بھی اس تحقیقی مقالہ میں اپنے موضوع وفن کے اعتبار سے کچھ کامیاب یا ناکام ترکیبوں کو اپنانے کی کوشش کی ہے اور کبھی مروجہ اصولوں کے مطابق اور کبھی اس سے ہٹ کر چلنے کی کوشش کی ہے۔

چونکہ یہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کے لئے مخصوص ہے اور چونکہ ہر علم وفن پر اس کی دسترس بڑھتی جارہی ہے اور ہر جہت میں وہ اپنے دائرۂ اثر کے نفاذ میں مصروف عمل دکھائی دیتی ہے اس لئے علم وادب کے تمام شعبے COMPUTERISED اعداد وشمار کی شکل بنتے جا رہے ہیں۔ جو مضامین یا موضوعات خالصتاً سائنس سے متعلق ہیں ان کے تو پورے وجود میں سائنس اور ٹیکنالوجی رچی بسی نظر آتی ہے لیکن جن علوم وفنون کا تعلق بالواسطہ سائنس سے نہیں ہے ان میں بھی کسی قدر سائنس اور ٹیکنالوجی یا تو کارفرما ہے یا اسے داخل کرنے اور زیادہ سے زیادہ سائنٹفک بنانے کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے تاکہ مضامین اور موضوعات کو زیادہ سے زیادہ سہل اور قابل قبول بنایا جاسکے، UP TO DATE اور

۱۲۔ 'ماہنامہ معارف کے اشاریے' — معارف اپریل ۱۹۹۹ء، ص ۲۹۷ تا ۳۱۲ + معارف مئی ۱۹۹۹ء، ص ۳۲۵ تا ۳۸۵

TO THE POINT دل آویزیوں سے مزین کیا جاسکے اور ان کی افادیت کو وقت کی کسوٹی پر جانچا پرکھا اور ثابت کیا جاسکے۔ چونکہ سائنس کسی بھی کلیّہ کو دو اور دو چار کی طرح ثابت کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے اور فکر و نظر کی تمام سطحوں پر قائل کرنے والا (CONVINCING) متاثر کرنے والا (APPEALING) اور مفاہمت کی راہوں کو استوار کرنے والا (COMPROMISING) ہوتا ہے اس لیے جس علم و فن میں بھی اس تکنیک کو اختیار کیا جاتا ہے وہ قابل قبول اور جاذب نظر بن جاتا ہے۔ مثلاً کسی موضوع کی جزئیات کو نمایاں کرنے کے لیے ضروری ہے کہ:

- چھوٹی چھوٹی اکائیوں (UNITS) میں اس کی جدول بندی (TABLISATION) اور درجہ بندی (CLASSIFICATION) کردی جائے تاکہ سمجھنے یا سمجھانے والوں کے لیے متعلقہ موضوع کے سیاق و سباق اور پس منظر و پیش منظر کے نشیب و فراز کا اندازہ لگانا نسبتاً آسان ہو جائے۔
- جو کچھ بھی پیش کیا جائے اس بات کی بھرپور کوشش کی جائے کہ وہ حقائق سے قریب تر اور مروجہ تعصبات و کوتاہ نظریوں سے پاک ہو، انتہا پسندی اور جانبداری سے گریزاں ہو، تضاد، تناقض اور لفاظی سے منزہ ہو، محتاط انداز بیان کو برتنے میں دلچسپی رکھتا ہو اور قادر الکلامی کی صفات سے مزین کرنے کے لیے کوشاں ہو تاکہ موقع کی مناسبت سے کبھی کوزے کو سمندر میں بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور کبھی سمندر کو کوزہ میں سمیٹنے پر قادر ہو۔
- حقائق اور متعلقہ مواد کی SETTING اس انداز سے کی جاتی ہو کہ نفس مضمون کے مختلف پہلوؤں کا اجمالی اور سرسری جائزہ لینے والوں کو بروقت کسی دوسری کتاب کی محتاجی یا تشنگی محسوس نہ ہو۔ البتہ علمی وسعت اور تحقیقی تفاصیل کی گہرائیوں میں جانے والوں کے لیے زیادہ سے زیادہ حوالہ جات کی گنجائش ہو تاکہ وہ علم کے سمندر میں جس قدر غوطہ زن ہونے کی مسرت منانا چاہیں منالیں۔ لیکن اس معاملے میں بھی کتابوں کا انتخاب اور اختصار پسندی ملحوظ رہے تاکہ کم سے کم وقت صرف کرنا پڑے۔
- تحقیقی انداز فکر کا حامل ہو تاکہ کسی مثبت نتیجے تک رسائی ممکن ہوسکے۔ محض ورق گردانی اور اوراق شماری کی تکمیل مقصود نہ ہو۔ ساتھ ہی ساتھ ایجاد پسند ذہنیت کی حوصلہ افزائی کرنے والا، جدت طرازیوں کو اختیار کرنے والا، تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے والا اور حالات حاضرہ سے زیادہ سے زیادہ مطابقت و ہم آہنگی پیدا کرنے والا ہو۔ اب یہ تو صاحبان نظر ہی فیصلہ کرسکیں گے کہ ہم نے مذکورہ جزئیات اور نزاکتوں کا کس حد تک خیال رکھا ہے۔

ایک اہم بالشان جریدے اور اس سے متعلق ادارے کی خدمات کا بیان ایک مبتدی کے قلم سے ایک دشوار گزار مرحلہ ہے پھر بھی ہم نے اپنے تئیں بھرپور کوشش کی ہے لیکن اس کوشش کو ہم حرف آخر نہیں سمجھ سکتے کیونکہ تحقیق و تدقیق میں کوئی بھی چیز حرف آخر نہیں ہوا کرتی ۔ ہاں اتنا ضرور عرض کرسکتا ہوں کہ اپنے موضوع پر اپنے انداز کی کوشش ہے ۔ گرچہ یہ کوشش خامیوں اور کوتاہیوں سے مبرا نہیں ۔ اور دراصل کوئی بھی انسانی کوشش کمزوریوں اور کمیوں سے مکمل طور پر پاک نہیں کہی جاسکتی ۔ البتہ کسی بھی طالب علم یا متلاشی کو اس میں کوئی مفید بات مل سکے تو میں اپنی اس کوشش کو کامیاب سمجھوں گا ۔

گزشتہ ابواب میں معارف کی علمی وادبی خدمات سے متعلق جو مفصل بحث کی گئی ہے اس کے پیش نظر یہ بات تو بہرحال ثابت ہے کہ علم وادب کی دنیا میں مجلّہ معارف اپنی ۸۳ سالہ خدمات کے نتیجے میں امتیازی صلاحیت رکھتا ہے اور صاحبان معارف کے قلم گہربار سے لکھے ہوئے سطور ارباب علم ونظر سے خراج تحسین وصول کرچکے ہیں ۔ معارف کی مذکورہ خدمات کو اجاگر کرنے کے لئے جیسا عمیق مطالعہ اور جیسی تحقیقی نظر ہونی چاہئے تھی افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ اس کے مطابق حقائق کو نہیں پیش کیا جاسکا ۔ اس لئے کہ

کیف الوصول الی سعاد ودونہا + قلل الجبال ودونہن حتوف [3]

(محبوبہ تک رسائی کیسے ہو کہ اس کی راہ میں پہاڑوں کی چوٹیاں اور ہلاکت ہے ۔)

پھر بھی جن نکات اور تفصیلات کو پیش کرنے کا موقع مل سکا وہ غنیمت سمجھا جائے کہ یہ سعی وکوشش بھی قیمتی ہے اور اس راہ کے متلاشیوں کے لئے ممکن ہے نشان راہ کا کام کرسکے اور تاکہ آئندہ بحث وتحقیق کرنے والوں کی معاونت سے گہرے دور رس اور زیادہ سے زیادہ صحیح نتائج برآمد ہوسکیں ۔ چونکہ دارالمصنفین اور معارف ایک جان دو قالب ہیں ۔ جب بھی ایک کا ذکر آئے گا دوسرے کا ذکر بھی لازمی اور ناگزیر ہے اور چونکہ دور حاضر میں مختلف یونیورسٹیز کے کئی ریسرچ اسکالر مذکورہ موضوعات سے متعلق اپنے مقالات کو ترتیب دینے میں لگے ہوئے ہیں اور چونکہ آئندہ بھی ان اداروں کے ضمن میں مسلسل اور متواتر علمی وتحقیقی کام ہونے کے قوی امکانات پائے جاتے ہیں اس لئے گذشتہ اوراق میں پیش کردہ حقائق اور ان کا پس منظر بھی اپنی جگہ مخصوص علمی و ادبی اہمیت رکھتے ہیں جن سے خاطر خواہ فوائد اٹھائے جاسکتے ہیں اور مختلف جہتوں میں معاونت مل سکتی ہے ۔

---

[3] کاروان خیال (مجموعہ خطوط مولانا ابوالکلام آزاد + مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی) ص ۵۶

ایسا بھی نہیں کہ معارف اور حلقۂ معارف میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں اور نقائص و معائب سے وہ پاک اور مبرا ہیں۔ دراصل عیوب اور کمزوریوں کے پہلو کو دیکھنے کی بجائے ہمیں اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ بچوں کے اذہان کی تربیت کے لئے ترقی یافتہ ممالک میں کس قدر اور کس انداز سے کوششیں کی جاتی ہیں۔ اس کا عشر عشیر بھی برصغیر سے متعلق ممالک میں موجود ہے کہ نہیں اور اگر ہے تو اس کی صورتیں اور نوعیتیں کیا ہیں اور اس راہ کی رکاوٹیں اور مجبوریاں کیا کیا ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں سرے سے اس نہج پر کوئی اقدام نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں علمی ادبی تصنیفی اور صحافتی سطح پر بہت سے ممتاز اداروں اور صحیفوں کے نام لئے جا سکتے ہیں جن کی کوششیں قابل تحسین کہی جا سکتی ہیں لیکن اب تک جو کچھ بھی ہوا ہے وہ اتنا وقیع سرمایہ نہیں ہے جسے ہم تشفی بخش قرار دے سکیں۔ بہت سے گوشے ابھی ایسے ہیں جو خالی ہیں اور ان کو معیاری انداز میں بھرنے کی ضرورت ہے۔ یا تو عملت یا مجبوری سے ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی ہے یا کسی مسئلہ کی بنا پر ان کے لئے گنجائش نکالنا دشوار ہو رہا ہے۔ بہرحال کام بہت ہے اور محتاج توجہ اور تشنہ طلب ہے۔ ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ معارف کو ابھی ان تمام مسائل کا سامنا ہے جن سے اردو زبان کے متعدد جرائد کی قسمت وابستہ ہو چکی ہے اور جو عصری تقاضہ کے طور پر ابھر کر آگئے ہیں بالخصوص اردو زبان کی سطح پر اور وہ بھی ذرائع و وسائل کی کمیاب کے باوجود اپنے معیار اور ذوق کو قائم رکھنے والے اردو جرائد کے ساتھ۔

انفرادی کوششوں کا بالعموم مقصد ذاتی منفعت ہوتا ہے۔ یہ ذاتی منفعت ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ بن چکی ہے کہ اس دور میں زندگی کا کوئی بھی گوشہ اور پہلو اس سے خالی نظر نہیں آتا اور نہ ہی اس اہم مسئلہ سے جی چرانے یا صرف نظر کرنے سے بات بنتی ہے۔ آج کسی بھی کام کو کرنے یا کرانے سے پہلے ذاتی منفعت کی بات سوچ لینی پڑتی ہے ورنہ وہ کام نہ تو خاطر خواہ طریقے پر کیا جا سکتا ہے اور نہ کرایا جا سکتا ہے۔ حالانکہ ہر کام اور ہر تحریک کے لئے بے لوث جفاکشوں کی ضرورت ہے جو قومی ارتقاء کے لئے بے غرض طور پر کوششیں کر سکیں۔ ہمارے عہد میں ایسے بے لوث جفاکشوں کی تعداد بہت ہی کم ہے لیکن اس کمی کو تنظیمی طور پر پورا کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ عوامی تنظیموں کے ساتھ سرکاری تعاون اشد ضروری ہے اس لئے اس ضمن میں بھی باعزت حل تلاش کرنا ضروری ہے۔ بلکہ کسی بھی فرد یا تنظیم کے لئے بہتر اور مناسب وقت میں اپنے مسائل کو حل کر لینا اور دور اندیشی کی بنیاد پر آنے والے خطرات اور مصائب کا جائزہ

لے لینا زیادہ بہتر ہوتا ہے بہ نسبت اس بات کے کہ دورِ انحطاط اور زمانۂ ادبار میں ہاتھ پاؤں مارے جائیں جبکہ بات بگڑ چکی ہوتی ہے اور وزن ہلکا ہو چکا ہوتا ہے اور جب ناخلف اولاد اپنے صاحبِ عزیمت اسلاف کی روایات کو چھوڑ کر رخصت کو ترجیح دینے لگتی ہے اور گوشۂ عزلت میں پناہ ڈھونڈنے لگتی ہے ۔[۴۲]

معارف کو جدوجہد سے پُر ایک طویل عرصۂ حیات گزارنے کا موقع ملا اور مختلف ادوار میں مختلف علمی ادبی تصنیفی اور صحافتی مسائل سے نپٹنے اور ان کو حل کرنے کا موقع ملا ۔ بہت سی ایسی فتوحات اور محرومیوں سے وہ مالا مال رہا جو دوسرے رسائل اور جرائد کو مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں مثلاً ہر دور میں مخلصین کا ایک نادر و نایاب حلقہ اور جاں نثاروں اور بے لوث کارگزاروں کا سلسلۃ الذہب جو اس چاند کے گرد ہالہ بنائے رہا اور ابھی تک اس خوبی کے ساتھ بنائے ہوئے ہے کہ حتی الامکان اس کو گہن لگنے سے بچائے ہوئے ہے اور اس کی چال اور حرکت کو اپنے مدار و محور پر بدستور قائم و دائم رکھے ہوئے ہے ۔ ایسے ہی ایثار پسند اور مخلص اصحابِ ھمم عالیہ کا خون اور پسینہ ۸۳ برس سے معارف کے چراغ میں تیل بن کر جل رہا ہے ۔

بلاشبہ اردو زبان و ادب کے مخلص و باوقار خدمت گزاروں کی تاریخ میں اور اردو صحافت کے مخلص اور باوقار خادموں کی حیثیت سے معارف کا نام جلی حروف میں لکھا جائے گا جس نے اردو ادب و صحافت میں صاف ستھرے، سنجیدہ اور معیاری انداز میں لکھے تقریباً ایک لاکھ صفحات کا اضافہ کیا اور اس بات کا تہیہ کر لیا کہ جب تک موجودہ ادب و صحافت کو دنیا کے صالح ترین ادب و صحافت کے مقابلے میں نہ کھڑا کر دے چین سے نہ بیٹھے گا ۔ یہ اس کا مخصوص کارنامہ ہے کہ ایک طرف عہدِ ماضی کی لغویات اور بے ہودہ روایات سے دامن چھڑایا تو دوسری طرف عہدِ حاضر کے مہملات و خرافات سے حتی الامکان گریز کیا ۔ اس نے رجحانات اور موضوعات کا انتخاب اپنے انداز پر اور اپنے مذاق کے مطابق کیا ۔ اس معاملے میں نہ صرف یہ کہ غیروں کی تقلید سے بے نیازی اور بے اعتنائی کا رویہ اختیار کیا بلکہ روشن خیالوں کی تنقید اور نکتہ چینی کی بھی پروا نہ کی ۔ کچھ ہی رجحانات کی طرف اپنی طبیعت کو مائل کیا اور چند ہی اصناف کو پسند کیا لیکن انھیں میں اپنی جدت طرازیوں کے جوہر کو نمایاں کیا ۔ شذرات ہوں، وفیات ہوں، واقعات ہوں، احوال و کوائف ہوں، صحافتی مسائل سے متعلق بیانات ہوں، اعتراضات، نکتہ چینیاں و تنقیدی جائزے ہوں یا علمی ادبی مضامین اور موضوعات ہوں، شعر و نغمہ کی بہاریں اور سطریں ہوں یا تصنیفی و تحقیقی شہ پارے ہوں سبھی کی تزئین و آرائش اپنے انداز اور اپنے

---

[۴۲] اردو صحافت کے مسائل ـــ رفعت شاہین ص ۶۳

معیار پرکھی ۔ تھوڑا ہی لکھا لیکن تھوڑا تھوڑا اور قطرہ قطرہ سمندر بنتا چلا گیا اور ایک طویل عرصہ میں سب ملا کر اتنا لکھا اتنا لکھا کہ اس کا احاطہ مشکل ہے ۔ پھر تعداد اور مقدار کے لحاظ سے کثرت اور تکاثر کو کم اختیار کیا جبکہ وزن اور قدر و قیمت کے لحاظ سے اپنی ساکھ علم وفن کے بازار میں اور ناقدین و مبصرین کی کسوٹی پر برقرار رکھی ، مروجہ طور طریقوں سے ہٹ بچ کر اپنی مخصوص راہ عمل متعین کی اور اپنی انفرادیت کو زمانہ کے نشیب و فراز اور نت نئے تقاضوں کے باوجود قائم و دائم رکھا بلکہ حالات زمانہ کے ساتھ بڑی خوبی کے ساتھ نباہ کیا اور ADJUST کیا ۔ اس نے نتائج و عواقب کی بھی پرواہ نہ کی ۔ بہرحال یہ اس کے کارگزاروں اور معاونوں کی حسن نیت اور خلوص کی کارفرمائی ہے کہ انقلابات زمانہ کی پیہم تبدیلیوں کے باوجود تقریباً ایک صدی کی طویل مدت میں مسلسل اور متواتر اپنے قارئین یا تمکین کو مطمئن و محظوظ کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ۔

خلاصۂ کلام کے طور پر مندرجہ ذیل POINTS پر مزید چند باتیں عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں:

۱۔ حلقۂ معارف یا صاحبان معارف :

اس حلقہ کے سرگروہ سید سلیمان ندوی برصغیر کے ان اعاظم رجال میں تھے[5] جن کی نسبت عربی شاعر متنبی کا یہ شعر نہایت موزوں ہے مضت الدھور وما اتین بمثلہ + ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ (ایسی جلیل القدر ہستیاں روز روز دنیا میں نہیں آتیں اور جب وہ دنیا کو اپنے وجود سے رونق بخش دیتی ہیں تو دنیا ان کی مثال لانے سے قاصر رہ جاتی ہے ۔) آپ کا شمار بلاشبہ برصغیر ہند و پاک میں اسلام اور مسلمانوں کے ایک بڑے وکیل اور ایک بڑے محافظ و مدافع کی حیثیت سے کیا جائے گا ۔ آپ ایک لمبے عرصہ تک ہر اس قوت کے سامنے سینہ سپر رہے جو اسلام، شارع اسلام اور حاملین اسلام پر حملہ آور ہوتی رہیں ۔ آپ کی زندگی میں ہی اس عظیم المرتبت مشن کی علم برداری آپ کے تربیت یافتہ اور صحبت یافتہ افراد کے سپرد ہوئی ۔ اور پھر یہ امانت نسل در نسل ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتی رہی اور ہر دور میں ایک سے ایک صاحب علم و کمال معارف کو بحیثیت سرپرست و خدام حاصل ہوتے رہے جن کا تفصیلی ذکر گزشتہ ابواب میں مذکور ہے ۔ یہاں ایک ضروری بات جو ہم عرض کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ در اصل علم و تحقیق کی وسعت یا گہرائی اور اپنے معلومات کی خوبصورتی کے ساتھ دلنشین طریقہ پر بیان کر دینا یا تحریر میں لے آنا یہ وہ کمالات ہیں جن میں بڑی حد تک کسب کو بھی دخل ہے لیکن عشق کی آگ اور دل کا سوز و گداز وہ دولت ہے جو صرف خدا کی دین پر موقوف ہے ۔ صاحبان معارف میں سے کچھ لوگ تو ضرور ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جنھیں علم و تحقیق

---

[5] مولانا موصوف کی بہ حیثیت شخصیت پر عربی کا یہ شعر صادق آتا ہے ولیس للہ بمستنکر + ان یجمع العالم فی واحد (اللہ کی قدرت سے یہ کچھ بعید نہیں کہ سارے عالم کو ایک ذات میں جمع کر دے یعنی ایک شخص کو بہت سے کمالات عطا کر دے) یہ شعر ابونواس کے ان ۶ اشعار میں سے ایک ہے جو خلیفہ ہارون رشید کو فضل بن ربیع کی تعریف میں لکھ کر پیش کئے گئے تھے ۔ 'کاروانِ خیال' ص ۵۳

اور تقریر و تحریر کے کمال کے ساتھ اس وہبی لطف سے بھی وافر حصہ ملا ہے اس لئے معارف کے بعض مضامین میں کچھ ایسی کیفیت رچ بس گئی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ ان کا مطالعہ بار بار کیا جائے ۔ اس حلقہ کے صاحبان کمال کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے پروفیسر رشید احمد صدیقی فرماتے ہیں : "یہ ایسے لوگ ہیں جن سے گفتگو کے درمیان مخاطب کو کبھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ان کی معلومات روایتی ہیں یا جن کا ذہن بند ہے تنگ خانوں میں اسیر ہے یا جن کے فکر و نظر کا دائرہ تنگ ہے ۔ علی گڑھ میں جدید ترین افکار و اطوار سے مسلح اور مرعوب نوجوانوں کو میں نے دیکھا کہ خالص علمی اور ذہنی سطح پر یہ دیہاتی بزرگوں کی ہمسری نہ کر سکتے تھے ، ہمیشہ یہی ہوا کہ وہ سید صاحب سے کچھ سیکھ ہی کر واپس گئے" [۶] ان حضرات کی نفسیات پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں : "یہ لوگ فطرتاً خاموش ، قناعت پسند اور عافیت جو ہوتے ہیں اپنے بچوں اور ساتھیوں کے ساتھ ہنس بول لینے میں زندگی کی تفریح پا لیتے ہیں اور خوش ہونے کے لئے کسی بڑی تقریب کے منتظر نہیں رہتے ، چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں بڑی خوشیاں ڈھونڈ لیتے ہیں ، یہ بہت بڑی صفت اور نعمت ہے اور کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے ۔" [۷] ایک موقع پر رشید احمد صدیقی اس حلقہ کا تعارف کراتے ہوئے بڑی اچھی بات کہتے ہیں : "شبلی منزل ایک خالص علمی ادارہ ہونے کے علاوہ زندگی کی بہت سی دوسری اعلیٰ و محترم سرگرمیوں کا بھی گہوارہ تھا ۔ کتنے دانایان سیاست ، ارباب فضیلت اور شیفتگان شعر و ادب وہاں سے نسبت رکھنا اپنے لئے ایک امتیاز سمجھتے تھے ۔ جن دوستوں کو شبلی منزل میں قیام کا اتفاق ہوا ہے اور جنہوں نے وہاں کی مدارات ، مہمان نوازی ، رفقاء کا آپس میں میل محبت اور کام کرنے کا شغف دیکھا ہے وہ بتا سکیں گے کہ اعظم گڑھ کا یہ مختصر قطعہ جو کسی طرح ایک وسط سائز کے باغ سے زیادہ نہیں ہے ، شمالی ہند کی تہذیب اور علم و دانش کی نہ صرف نمائندگی کرتا رہا بلکہ اس میں خاطر خواہ اضافہ کرتا رہا ۔" [۸]

---

[۶] ہم نفساں رفتہ — پروفیسر رشید احمد صدیقی ص ۳۳

[۷] ایضاً ص ۳۹

[۸] ایضاً ص ۵۱

رشید احمد صدیقی اس بات پر بڑا خوبصورت تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ لوگ جب اپنے علمی اور تجرباتی منتہائے عروج کو چھونے لگتے ہیں اور علمی حلقوں میں ان کی اہمیت اور ضرورت زیادہ سے زیادہ محسوس کی جانے لگتی ہے تو وہی وقت ان حضرات کی جدائی اور اس فانی دنیا سے منہ موڑ کر رضائے الٰہی پر لبیک کہنے کا ہوتا ہے ۔ ایک موقع پر سید سلیمان ندوی کے ذاتی تاثرات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

" اس آخر شب کے سناٹے میں سید صاحب بڑے تاثرات فرمانے لگے : زندگی کا بھی عجب ڈھنگ ہے ، جب کچھ باتیں قابو میں آنے لگتی ہیں اور حوصلہ ہوتا ہے کہ اب انہیں پیش کریں گے تو رخصت ہونے کا پیغام آجاتا ہے ، جس ذوق و شوق اور محنت سے جو کچھ دیکھا سیکھا پڑھا تھا وہ برگ و بار لانے والا تھا کہ عمر کا آفتاب غروب ہونے لگا ، اب اس برگ و بار کا کیا ہوگا ؟ " [9]

۲ ۔ معارف کے شذرات و وفیات :

شذرات معارف تقریباً ایک صدی کے سیاسی و سماجی احوال و کوائف کی جیتی جاگتی تصویر ہے ۔ ان میں حالات و واقعات پر تنقید و تبصرہ پوری حقیقت اور واقعیت کے ساتھ موجود ہے ۔ چونکہ ان سطور میں ملکی و غیر ملکی سیاسی و سماجی مسائل کا ہجوم ہے اس لئے یہ بات قابل غور ہے کہ سیاست کی بابت صاحبان معارف کا نقطۂ نظر کیا ہے ؟ اس ضمن میں سید سلیمان ندوی کے ایک مشہور لطیفے سے بات واضح ہوجاتی ہے ۔ " پٹنہ کے ایک جلسے میں مغرب کے وقت سید صاحب صافہ اتار کر وضو کرنے لگے ، وہاں مولانا ابوالکلام آزاد بھی تشریف فرما تھے ۔ جب سید صاحب نے صافہ اتارا تو اس کے اندر سے کشتی نما ٹوپی جو نظر آئی تو مولانا آزاد نے دیکھ کر فرمایا " اچھا مولانا ، آپ نے مذہب اور قومیت دونوں کو ساتھ جمع کر رکھا ہے " ۔ سید صاحب نے برجستہ جواب دیا " مگر مذہب اوپر ہے اور قومیت نیچے " ۔ یہ سن کر مولانا آزاد اور دوسرے لوگ ہنس پڑے ، مگر سید صاحب کی سیاسی زندگی کا یہی مسلک رہا " [10]

الغرض شذرات معارف اپنے اپنے دور کے سیاسی و سماجی حالات و مسائل کے خوبصورت مرقعے ہیں اور عہد آفریں دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی بے شمار کڑیوں کو ملا کر ایک خوبصورت تاریخ ترتیب دی جاسکتی ہے ۔ یہ اپنے اسلوب اور زبان دانی کے اعتبار سے بھی اپنی منفرد و مخصوص اہمیت کے حامل ہیں ۔

---

[9] ہم نفسانِ رفتہ —— پروفیسر رشید احمد صدیقی ص ۵۳

[10] سید صاحب کے صد سالہ یوم ولادت کی تقریبات کے موقع پر بہار اردو اکادمی پٹنہ کی طرف سے شائع کی گئی کتاب " علامہ سید سلیمان ندوی " ص ۱۰

وفیات کے عنوان سے معارف نے سیکڑوں شخصیتوں کے جوہروں کی آئینہ داری کی، کتنے ہی مرنے والوں کی تربت پر لا کے کے پھول چڑھائے، کتنوں کے انتقال پُر ملال پر آنسو بہائے، کتنوں کی موت کا ماتم کیا۔ یہ نثری مرثیے علم وادب کے شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے کہ جس خلوص ومحبت کے ساتھ، حسن وقار وتمکین کی امتیازی شان کے ساتھ، بلا تفریق مذہب وملت نہایت غم انگیز لہجے میں لکھے گئے ہیں وہ الیہ ادب میں منفرد مقام رکھتا ہے، احباب فکر ونظر اس معاملے میں اسے جس قدر داد تحسین سے نوازیں کم ہے۔ ان میں شخصیات کی خوبیوں کا تذکرہ بڑی برجستگی سے کیا جاتا ہے، نادر الکلامی اور فصاحت بیان اپنے فنی عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مرنے والوں کے سوانح زندگی کو یہ لوگ پہلے سے پابندی اور احتیاط کے ساتھ قلم بند کرتے ہیں اور وقت آنے پر معارف میں نقل کر دیتے ہیں۔ مرحومین کی زندگی کے واضح نقوش معارف کے صفحات پر جس طرح جگمگاتے نظر آتے ہیں اسے دیکھتے ہوئے بقول رشید احمد صدیقی کہنا پڑتا ہے: "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مرنے والوں کی سوانح زندگی کو کسی بیاض میں بڑی پابندی اور احتیاط سے قلم بند کرتے ہیں اور وقت آنے پر ان کو معارف میں نقل کر دیتے ہیں۔ سید صاحب کا حافظہ اس معاملے میں اس درجہ قوی اور مرتب تھا کہ ۳۰، ۴۰ سال کے واقعات بقید سال وماہ ومقام بے تکلف اس طرح لکھے جاتے جیسے لکھتے وقت ان واقعات کا وقوع ہو رہا ہو۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مجھے اس کا یقین ہے کہ مرنے والے کا وہ کوئی کھاتہ نہ رکھتے ہوں گے بلکہ ساری باتیں ان کے حافظہ میں جیتی جاگتی محفوظ ہوتی تھیں .... ان مضامین کو تاریخی دستاویز ہو کر رہ جانا چاہئے یہ تاریخ اور شاعری کے درمیان کی ایک چیز ہے جو تاریخ نہ ہونے کے باوجود تاریخ کی جگہ لے سکتی ہے اور شاعری نہ ہونے کے باوجود شاعری کے تقاضے پورے کرتی ہے۔" [11]

۳۔ معارف کی شعر وشاعری:

معارف کی شعر وشاعری حمد ونعت ومنقبت کا ایک عمدہ مجموعہ ترتیب دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ غزلوں میں احساسات وجذبات کی اپنی خوش دنیا آباد ہے جو فنی آگہی کی بہترین ترجمان ہیں۔ رباعیات، قطعات اور نظمیات میں فنی اعتبار سے تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک خوش

---

[11] ہم نفسان رفتہ ــــ پروفیسر رشید احمد صدیقی ص ۲۴۴

عبرت و موعظت بھی ملتی ہے ۔ معارف کی شعر و شاعری میں کلاسیکی نظم و ضبط کے ساتھ فکر و عمل اور فکر آخرت کی تحریک بھی شامل ہے ، خودشناسی اور خداشناسی کے رموز بھی پوشیدہ ہیں ۔ معارف کی شعر و شاعری میں پاکیزہ ادب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جس نے نوجوانوں میں قوت فکر اور جوش عمل پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ، انسانیت کے اوصاف کو ابھارا اور اسلامیت کی روح کو بیدار کیا ۔ معارف کے نغموں کے جنگل میں ایسے حسین گل بوٹے نظر آتے ہیں کہ نگاہیں بے اختیار ان پر جم جاتی ہیں ۔ معارف کی نظمیں شعریت سے بھرپور ہیں اور یہ شعریت چند مخصوص عناصر سے تشکیل پاتی ہے ۔ معارف کی شعر و شاعری کہیں سادگی اور پرکاری کے عمدہ نمونے اور بہترین مثالیں ہیں ، کہیں فصاحت و بلاغت کے کرشمے پیش کرتی ہیں ۔ ان کے پس پردہ ایک مقصد حیات ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ شعرائے معارف کسی مخصوص رمز کشائی کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور زبان کا جادو جگانے کے ساتھ ساتھ ایک مخصوص تاثر کو پیش کرتے ہیں ۔ زبان دانی ، تاثر اور معنویت جیسی شاعرانہ خصوصیات سے مل کر ان کا شعری پیکر ڈھلتا اور شاعرانہ وجود تشکیل پاتا ہے ۔ سادگی و سلاست کے ساتھ رنگینی بیان کی لطافت اور رعنائی خیال کا حسین و دلکش امتزاج ملتا ہے ، بلند اخلاقی کی ایک لہر سی دوڑتی نظر آتی ہے ، شاعرانہ کمال اپنے اوج پر نظر آتا ہے ۔ کتنے ہی شعری نگینوں کا انتخاب ایسا ہے جن میں شکوہ الفاظ ، نزاکت خیال ، رفعت پرواز ، برجستگی اور قادر الکلامی کے عمدہ نمونے اور مثالیں ملتی ہیں ۔ کئی زبانوں کی شعر گوئی کی مختلف اصناف سخن میں نقش ہائے رنگا رنگ کے کرشمے نظر آتے ہیں ، ہر جگہ رعنائی خیال اور حسن بیان کے جلوے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتے نظر آتے ہیں ، یہی معارف کی شاعری کا طرۂ امتیاز اور یہی اس کے فن کا اعجاز ہے ۔ معارف کی شعر و شاعری میں پہاڑی چشموں کی روانی ، تیز رفتار جھرنوں کی نغمگی اور موسیقی ، برساتی قوس و قزح کی رنگینی و جمالی ، خوشبودار پھولوں کی شگفتگی و شادابی اور پاک و صاف شبنم کی تازگی و طراوت کے ساتھ ساتھ حسن فطرت کی دل آویزی وغیرہ سبھی کچھ موجود ہے ، شاعرانہ علو مرتبت کے حصول کے باوجود بڑی سادگی اور انکسار بھی موجود ہے ۔

۴ ۔ معارف کے مقالات و مضامین :

معارف کی علمی و ادبی نگارشات اور اس کے مصنفین کا تحریری و تصنیفی سرمایہ دامان باغبان اور کف گل فروش بنا ہوا ہے ۔ رفقاء و مصنفین معارف کی رگ و پے میں اپنے اولو العزم اسلاف اور اکابر کی مانند تہذیب علم و ادب رقص کرتی ہے اور انھوں نے اپنی تحریروں اور تصنیفات میں مواد و معلومات کی فراہمی ، طریقۂ بحث و استدلال

ترتیب مقدمات اور اخذ و استنباطِ نتائج کے علاوہ انھیں کی انشا پردازی کے اعلیٰ ترین نمونے کو پیش نظر رکھا ہے۔ جو لوگ ادب و انشاء کو مخصوص اصناف ہی کے دائرے میں محدود سمجھتے ہیں ان کی بابت مولانا ضیاء الدین اصلاحی بڑی خوبصورتی سے وضاحت فرماتے ہیں جو معارف کے موقف کی نشاندہی بھی کرتا ہے اور اس کے مضامین کی خوبیوں کو بھی اجاگر کرتا ہے: "دراصل ادب و انشاء کا تعلق ذوقِ صحیح اور وجدانِ سلیم سے ہے، اس کی کارفرمائی ہو تو سنجیدہ علمی تحریروں اور خشک موضوعات میں بھی ادبی ترو تازگی اور شادابی پیدا ہو جاتی ہے۔ علامہ شبلی کی کوئی تحریر بھی سلاست و شگفتگی اور انشاء کی لطافت و حلاوت سے خالی نہیں ہوتی۔ یہی رعنائی و بانکپن دارالمصنفین کے دوسرے اہل قلم اور مصنفین کا بھی طرۂ امتیاز ہے۔"[12]

معارف کے مضامین و مقالات میں ایک جہانِ معنی آباد ہے۔ مضامین کا تنوع گرچہ محدود ہے اور انداز نگارش بھی مخصوص طرز کی ہے جس کے وجہ حلقۂ اثر بھی مختصر ہے لیکن چونکہ یہ حلقۂ اثر ذہین و طباع اور ماہرین فن اشخاص پر مشتمل ہے اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان حضرات کا جو معارف کے فکر و نظر سے متاثر ہیں یا کسی بھی صورت میں اس کے دامن دولت سے وابستہ ہیں حلقۂ اثر لامحدود ہے۔ یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ معنی آفرینی کے لحاظ سے معارف کا دامن بہت وسیع ہے اور اس میں متنوع اور گلہائے مضامین اپنی جداگانہ خوشبوؤں کے ساتھ سجائے جا سکتے ہیں۔ گذشتہ ۸۳ برس کی مدت میں سیکڑوں معرکۃ الآرا مضامین اور مقالات صاحبانِ معارف نے ترتیب دے ڈالے جو علم و ادب کی دنیا میں تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ معارف نے اپنے جادو نگار قلم سے حالات و واقعات کو عہد آفریں بنا دیا۔ کتنے ہی گزرتے ہوئے لمحات کو روشنی اور چمک دمک عطا کردی اور اپنی علمی و ادبی بصیرت کا بھرپور ثبوت دیا۔ اس کے زیادہ تر مضامین اسلامیت کی مے میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں اس لئے کہ معارف کو اسلام اور اسلام کی ایک ایک چیز سے قلبی نسبت حاصل ہے۔ معارف کے مضامین زیادہ تر حکیمانہ نوعیت کے ہوتے ہیں جو علم و حکمت کے لعل و جواہرات سے پُر ہوتے ہیں، فصاحت و بلاغت، علم شناسی اور ادب نوازی جیسے دوسرے لوازم بھی اس قدر نمایاں ہوتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو جن چیزوں کی تلاش ہے ان کے حصول یابی میں مایوسی اور محرومی

---

[12] دبستانِ شبلی کے نامور انشا پرداز ـــ اثر العارفی
ماخوذ از دیباچہ کتاب از مولانا ضیاء الدین اصلاحی ص 15

کی شکایت نہیں کرنی پڑتی ۔ معارف کے مضامین کو دیکھ کر خوشی حاصل ہوتی ہے کہ اردو زبان میں معرکۃ الآرا تصانیف کو قلم بند کرنے کا رواج منقطع نہیں ہوا ۔ بلا شبہ معارف کے مقالات کو کسی بھی معیاری زبان کے بڑے بڑے تحقیقی کارناموں کے سامنے رکھا جا سکتا ہے ۔ ان مقالات کی ترتیب و تالیف میں صاحبان معارف کے حیرت انگیز طالب علمانہ شغف، مورخانہ ژرف نگاہی، ادبی پرکھ اور عالمانہ بصیرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ معمولی معمولی پہلوؤں کو مستند سے مستند ماخذوں سے مستحکم کیا جاتا ہے، ان کے لئے نہ معلوم کتنی کتنی بے کنار سرو سامان اور دشوار گزار جنگلوں اور گھاٹیوں سے ان حضرات کو گزرنا پڑتا ہوگا تب کہیں جا کر کسی رہبر کے نقش قدم ملتے ہوں گے اور جادۂ منزل کے متعین کرنے کا امکان پیدا ہوا ہوگا ۔ علمی تحقیقات کے آداب کو اپنے مقالات میں صاحبان معارف پورے طور سے ملحوظ رکھتے ہیں، حتی الامکان مستند حوالوں کو فراہم کرتے ہیں، تقسیم ابواب اور ترتیب مضامین میں اس طور پر سلیقہ سے کام لیتے ہیں کہ معمولی سے معمولی طالب علم بھی پوری تحقیقات سے پورے طور پر آشنا ہو جاتا ہے ۔ معارف نے اپنی تحریروں میں نت نئے علمی و ادبی حقائق سے روشناس کیا ۔ اس نے تاریخ جیسے خشک موضوع کو ایسی ہی دلکشی اور رعنائی عطا کی جو مناظر نگاری کی جملہ خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ نظر آتی ہیں ۔ تاریخی مناظر کی تصویر کشی میں صاحبان معارف کسی مصور سے کم نہیں نظر آتے ۔

الغرض معارف نے اپنی فکری بصیرتوں اور فنکارانہ صلاحیتوں سے علم و ادب کو بام عروج تک پہونچانے میں نصف صدی تک جو ذہنی، مہارت فنی اور دیدہ وری کا ثبوت دیا ہے وہ علم و ادب کی تاریخ میں ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے ۔ بلاشبہ علم و ادب کے میدان میں ایک سنگ میل، ایک نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس نے نوجوانوں کی ذہنی اور فکری تربیت میں ایک اہم رول ادا کیا ہے، اس نے صحافت کے میدان میں ممتاز مقام حاصل کیا ہے اور اپنے ہم پیشہ حضرات کی رہنمائی اور تربیت کے لئے بہت سارا مال و متاع اور ساز و سامان تیار کیا ہے اور علم و ادب کی نئی تعبیر پیش کی ہے ۔ بلاشبہ معارف کے علمی و ادبی کارنامے اور خدمات لائق ستائش ہیں اور تحقیق و جستجو سے تعلق رکھنے والے محققین طلبہ کے لئے تلاش و جستجو کی نئی راہیں کھولتے اور مستحکم میدان ہموار کرتے ہیں ۔

ضرورت ہے کہ ارباب فکر و نظر اور صاحبان ذوق اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے قوم کی اس گراں قدر امانت کے تحفظ کے لئے سامنے آئیں ۔ وہ اپنی علمی کاوشوں کے ذریعے معارف کو علمی حلقوں میں زیادہ سے زیادہ متعارف کرائے اور اس کے معیار کو قائم رکھنے بلکہ بلند سے بلند تر کرنے میں اور اس کی مساعی جمیلہ کے لئے سند قبولیت حاصل کروانے میں نہ صرف یہ کہ دلچسپی لیں بلکہ اپنی صلاحیتوں کو وقف کرنے کی طرف بھی متوجہ ہوں تاکہ شمالی ہند میں دارالمصنفین کے نام و مرکز علمی سے

روشنی کی جو صاف و شفاف کرنیں پھوٹ رہی ہیں انھیں موہومیاتی آلودگیاں مسموم و پراگندہ نہ کرسکیں ساتھ ہی ساتھ مخلصین کا مختصر و محدود لیکن قابل قدر گروہ جو فی زمانہ کاروباری منفعت اور مادی منافع کی مروجہ سوچ سے ہٹ کر صرف علم و فن کے گیسوؤں کو سنوارنے اور انھیں زیادہ سے زیادہ تابدار بنانے میں ناسازگار حالات کے باوجود ایک طویل عرصہ سے مسلسل تلاش و جستجو اور سعی و محنت کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہے ایسا نہ ہو کہ ہماری بے توجہی اور فرض ناشناسی ان کی حوصلہ شکنی کے لئے جواز بن جائے ۔ آخر میں شذرات معارف کے مندرجہ ذیل سطور پر ہم اپنی بات کو ختم کرتے ہیں جو قوم کے تئیں شکایت بھی ہے، خود احتسابی اور شعور انسانی کے لئے تنبیہ بھی، مقصد کی لگن رکھنے والوں کے لئے حوصلہ افزائی بھی اور مذکورہ اداروں کی خدمات کو سراہنے والوں اور ان پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے لمحہ فکریہ بھی :

" دارالمصنفین کا اصل مقصد ایسی جماعت تیار کرنا ہے جو علم و فن کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کردے اور بلند پایہ علمی و تحقیقی کتابوں کی تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، اس کے لئے جس طرح کے افراد کی ضرورت ہے وہ دارالمصنفین کو میسر نہیں، لیکن اس کا سبب اس کے محدود وسائل و ذرائع ہی نہیں بلکہ قوم کی عام بدمذاقی اور مادیت کی جانب تیزی سے بڑھتا ہوا رجحان بھی ہے، اس لئے کہ علم و فن کے دلدادہ طلبہ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے

؎ اے کہ ہم راہ موافق بہ جہان می طلبی + آن قدر باش کہ عنقا ز سفر باز آید

تاہم اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں، ہم کو اپنی کوشش جاری رکھنی چاہئے ۔ " [13]

عظیم المرتبت مخاطبین ! " دنیا میں کسی کام کو حرف آخر نہیں کہا جا سکتا ۔ اب بھی کئی جگہ پر کمی محسوس کرتا ہوں (اور شدت سے کمی محسوس کرتا ہوں) لیکن موجودہ حالات میں اپنے میں اس سے زیادہ کی ہمت نہیں پاتا ۔ البتہ ایک بات کا اطمینان ہے کہ جتنا کام ہو گیا ہے وہ بھی کچھ کم نہیں ۔ جو جتنے کے لائق ہوتا ہے وہ اس کے مطابق اس سے کام لے لیتا ہے ۔ فالحمد للہ " [14]

---

[13] شذرات معارف جون ۱۹۹۴ء از مولانا ضیاءالدین اصلاحی ص ۴۰۲ - ۴۰۳

[14] اقتباس از مقدمہ غبار خاطر — مولانا ابوالکلام آزاد مقدمہ و مرتبہ از مالک رام